شب برات

شب برات کو عموماً مسلمانوں کا ایک تہوار سمجھا جاتا ہے۔ اس کے کچھ مراسم بھی مقرر کر لیے گئے ہیں جن کی شدت سے پابندی کی جاتی ہے۔ دھوم دھام کے لحاظ سے تو گویا محرم کے بعد اسی کا نمبر ہے۔ مگر سچی بات یہ ہے کہ یہ خواہ مخواہ کا بناوٹی تہوار ہے۔ نہ قرآن میں اس کی کوئی اصلیت ہے، نہ حدیث میں۔ نہ صحابۂ کرام کے دَور کی تاریخ ہی میں اس کا کوئی پتہ نشان ملتا ہے اور نہ ابتدائی زمانہ کے بزرگانِ دین ہی میں کسی نے اس کو اسلام کا تہوار قرار دیا ہے۔

دراصل اسلام رسموں اور تہواروں کا مذہب ہے ہی نہیں۔ یہ تو ایک سیدھا اور معقول مذہب ہے جو انسان کو رسموں کی جکڑ بندیوں سے، کھیل تماشے کی بے فائدہ مشغولیتوں سے، اور فضول کاموں میں وقت، محنت اور دولت کی بربادیوں سے بچا کر زندگی کی ٹھوس حقیقتوں کی طرف توجہ دلاتا ہے اور اُن کاموں میں آدمی کو مشغول کرنا چاہتا ہے جو دنیا اور آخرت کی فلاح و بہبود کا ذریعہ ہوں۔ ایسے مذہب کی فطرت سے یہ بالکل بعید ہے کہ وہ سال میں ایک دن حلوے پکانے اور آتش بازیاں چھوڑنے کے لیے مخصوص کر دے اور آدمی سے کہے کہ تو مستقل طور پر ہر سال اپنی زندگی کے چند قیمتی گھنٹے اور اپنی محنت سے کمائے ہوئے بہت سے روپے ضائع کرتا رہا کر۔ اور اس سے بھی زیادہ بعید یہ ہے کہ وہ کسی ایسی رسم کا انسان کو پابند بنائے جو صرف وقت اور روپیہ ہی برباد نہیں کرتی بلکہ بعض اوقات جانوں کو بھی ضائع کرتی ہے اور گھر تک پھونک ڈالتی ہے۔ اس قسم کی فضولیات کا حکم دینا تو درکنار، اگر ایسی کوئی رسم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود ہوتی تو یقیناً اس کو حکماً روک دیا جاتا، اور جو ایسی رسمیں اس زمانہ میں موجود تھیں اُن کو رد کر ہی گیا۔

حلوے اور آتش بازی کا معاملہ تو خیر اس قدر کھلا ہوا ہے کہ جو شخص کچھ بھی اسلام کے متعلق جانتا ہے وہ پہلی نظر ہی میں کہہ دیگا کہ ان چیزوں کی پابندی اس مذہب کی روح کے خلاف ہے مگر جب ہم تلاش کرتے ہیں کہ شعبان کے مہینہ میں اس خاص دن کے ساتھ کوئی مستند مذہبی عقیدہ وابستہ ہے یا کوئی لازمی عبادت مقرر ہے تو ہم کو اس کا بھی کوئی نشان نہیں ملتا۔ زیادہ سے زیادہ اگر کوئی چیز اسلامی لٹریچر میں ملتی ہے تو وہ یہ ہے کہ ایک دفعہ شعبان کی پندرھویں شب کو حضرت عائشہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر پر نہ پایا اور وہ آپ کو تلاش کرنے کے لیے نکلیں۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے بقیع کے قبرستان پہنچیں۔ وہاں آپ کو موجود پایا۔ وجہ دریافت کرنے پر آنحضرت نے فرمایا کہ اس رات کو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کی طرف توجہ فرماتا ہے اور قبیلۂ کلب کی بھیڑوں کے جس قدر بال ہیں اُس قدر انسانوں کے گناہ معاف کرتا ہے۔ لیکن حدیث کے مشہور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے اور اپنی تحقیق یہ بیان کی ہے کہ اس کی سند صحیح طور پر حضرت عائشہ تک نہیں پہنچتی۔ بعض دوسری روایات میں، جو کم درجہ کی کتب حدیث میں ملتی ہیں، اس رات کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے کہ اس میں قسمتوں کے فیصلے کیے جاتے ہیں اور پیدائش اور موت کے معاملات طے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ سب روایات ضعیف ہیں۔ ہر ایک کی سندیں کوئی نہ کوئی کمزوری موجود ہے۔ اسی لیے حدیث کی قدیم تر اور زیادہ معتبر کتابوں میں کہیں ان کا ذکر نہیں ملتا۔ تاہم اگر ان کی کوئی اصلیت تسلیم بھی کر لی جائے تو حد سے حد بس اتنا ہی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اس رات میں عبادت کرنا اور خدا سے مغفرت کی دعا کرنا ایک اچھا فعل ہے جسے انفرادی طور پر لوگ کریں تو ثواب پائیں گے۔ اس سے بڑھ کر کوئی ایسی چیز ان روایتوں سے ثابت نہیں ہوتی جس سے یہ سمجھا جائے کہ چودھویں تاریخ کو یا پندرھویں شب کو اسلام میں عید قرار دیا گیا ہے یا کوئی اجتماعی عبادت مقرر کی گئی ہے۔

حدیث کی زیادہ معتبر کتابوں سے جو بات ثابت ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

پر رمضان کی آمد سے پہلے ہی شعبان کے مہینہ میں ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبری جیسے عظیم الشان منصب پر مامور کیا گیا اور قرآن جیسی لازوال کتاب کے نزول کا آغاز ہوا۔ اس وجہ سے نہ صرف رمضان میں آپ غیر معمولی طور پر عبادت فرمایا کرتے تھے بلکہ اس سے پہلے ہی آپ کی لَو خدا سے لگ جاتی تھی۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ رمضان کے سوا سال کے باقی گیارہ مہینوں میں صرف شعبان ہی ایسا مہینہ تھا جس میں آپ سب سے زیادہ روزے رکھتے تھے، بلکہ تقریباً پورا مہینہ ہی روزہ رکھتے گزر جاتا تھا لیکن آپ کا یہ طرزِ عمل اپنی ذات کے لیے خاص تھا اور اس گہرے روحانی تعلق کی بنا پر تھا جو نزولِ قرآن کے مہینے سے آپ کو تھا۔ رہے عام مسلمان، تو اُن کو آپ نے ہدایت فرمادی تھی کہ ماہ شعبان کے آخری پندرہ دنوں میں روزے نہ رکھا کریں کیونکہ اس میں یہ اندیشہ تھا کہ اگر عادۃً لوگ اس مہینہ کے آخری دنوں میں روزہ رکھنے لگے تو رفتہ رفتہ یہ ایک لازمی رسم بن جائیگی اور رمضان کے فرض روزوں پر خواہ مخواہ دس پندرہ مزید روزوں کا اضافہ ہو جائے گا، اور اس طرح لوگوں پر وہ بار پڑ جائے گا جو خدا نے ان پر نہیں رکھا ہے۔

اسلام میں خاص طور پر یہ بات ملحوظ رکھی گئی ہے کہ جو کچھ خدا نے اپنے بندوں کے لیے لازم کیا ہے، اس کے سوا کوئی دوسری چیز بندے خود اپنے اوپر لازم نہ کرلیں۔ کوئی خود ساختہ رسم، کوئی مصنوعی قاعدہ، کوئی اجتماعی عمل ایسا نہ ہو جس کی پابندی لوگوں کے لیے فرض کی طرح بن جائے۔ خدا زیادہ بہتر جانتا ہے کہ اس کے بندوں کی بھلائی کن چیزوں کی پابندی میں ہے اور کس چیز کی کتنی پابندی میں ہے۔ اس کی قائم کی ہوئی حدوں سے تجاوز کرکے اگر بندے بطورِ خود کچھ رسمیں مقرر کرلیں گے اور فرض کی طرح ان کی پابندی کریں گے تو اپنی زندگی کو آپ تنگ کرلیں گے۔ پچھلی قوموں نے یہی غلطی کی تھی کہ نئی نئی رسمیں ایجاد کرکے اپنے اوپر فرائض اور واجبات کے ردّے پر ردّے چڑھاتی چلی گئیں اور رفتہ رفتہ رسمیات کا ایک ایسا تانا بانا اپنے گرد بُن ڈالا جس کے جال نے آخرکار اُن کے ہاتھ پاؤں جکڑ کر رکھ دیئے۔ قرآن ان رسموں کو زنجیروں سے

تشبیہ دی گئی ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کا ایک بڑا کام یہ بتاتا ہے کہ ان زنجیروں کو کاٹ پھینکیں جن میں انسان نے اپنے آپ کو خود کس رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت محمدی میں فرائض کا ایک نہایت ہلکا اور سادہ ضابطہ تجویز کر کے باقی تمام رسموں کا خاتمہ کر دیا گیا۔ عید اور بقر عید کے سوا کوئی تہوار نہ رکھا گیا، حج کے سوا کوئی جاترا نہ رکھی گئی، زکوٰۃ کے سوا کسی نذر نیاز یا دان پن کو فرض نہ کیا گیا، اور ہمیشہ کے لیے یہ اصول طے کر دیا گیا کہ انسان کو جس طرح خدائی فرض میں کوئی چیز کم کرنے کا حق نہیں ہے، اسی طرح کوئی چیز بڑھانے کا حق بھی نہیں ہے۔

ابتدائی زمانہ میں جو لوگ شریعت محمدی کی روح کو سمجھتے تھے وہ سختی کے ساتھ اس اصول کے پابند رہے۔ انہوں نے نئی رسمیں ایجاد کرنے سے انتہائی پرہیز کیا اور جو چیز لازمی رسم بنتی نظر آئی اس کی فوراً جڑ کاٹ کر رکھ دی۔ انہیں معلوم تھا کہ ایک چیز جس کو نیکی اور ثواب کا کام سمجھ کر ابتدا میں بڑی نیک نیتی کے ساتھ شروع کیا جاتا ہے وہ رفتہ رفتہ کس طرح سنت، پھر واجب، پھر فرض اور آخر کار فرض سے بھی زیادہ اہم بنتی چلی جاتی ہے اور جہالت کی بنا پر لوگ اس نیکی کے ساتھ کس طرح بہت سی برائیاں ملا جلا کر ایک قبیح رسم بنا ڈالتے ہیں، اور اس قسم کی رسمیں جمع ہو کر کس طرح انسانی زندگی کے لیے ایک وبال اور انسانی ترقی کی راہ میں ایک بھاری روک بن جاتی ہیں۔ اس لیے ابتدائی دور کے علماء اور امام اس بات کی سخت احتیاط ملحوظ رکھتے تھے کہ شریعت میں کسی نئی چیز کا اضافہ نہ ہونے پائے۔ ان کا یہ مستقل عقیدہ تھا کہ جو چیز شریعت میں نہیں ہے اسے شرعی حیثیت دینا، یا جس چیز کی شریعت میں جو حیثیت ہے اس سے زیادہ اہمیت اس کو دینا بدعت ہے، اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ بعد کی صدیوں میں اس طرف سے انتہائی غفلت برتی گئی اور بتدریج مسلمان بھی اپنی خود ساختہ رسموں کے جال میں اسی طرح پھنستے چلے گئے جس طرح دنیا کی دوسری قومیں پھنسی ہوئی تھیں۔ اس خرابی کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ بعد کے زمانے میں جو قومیں اسلام کے دائرے میں داخل ہوئیں ان کو صحیح اسلامی تعلیم و تربیت نہ مل سکی۔ وہ اپنے ساتھ پرانے جاہلیت کے بہت سے خیالات اور بہت سے طور طریقے لیے ہوئے اسلام میں آگئیں۔ ان کو صدہا برس سے رسمیات اور تہواروں

اور میلوں ٹھیلوں اور جاتراؤں کی عادت پڑی ہوئی تھی۔ اس کے بغیر ان کے لیے مذہبی زندگی میں گویا کوئی لطف ہی نہ تھا۔ اسلام کی سادہ شریعت کے دائرے میں آکر بجائے اس کے کہ وہ پرانی رسموں کا بوجھ اترنے اور پرانی زنجیروں کے بند کٹنے سے اطمینان محسوس کرتیں، انہیں یہاں آتے ہی یہ فکر لاحق ہوگئی کہ کسی طرح وہی بوجھ پھر اپنے اوپر لادیں جنہیں اسلام نے اتارا تھا اور وہی بیڑیاں پھر پہن لیں جنہیں اسلام نے کاٹا تھا۔ چنانچہ انہوں نے کچھ تو پرانی جاہلیت کی رسمیں ذرا سی ظاہری صورت بدل کر باقی رکھیں، اور کچھ نئی رسمیں خود ایجاد کیں، یہاں تک کہ اسلام کو بھی ویسا ہی رسموں اور تہواروں کا مذہب بنا کر رکھ دیا جیسے ان کے پرانے مذہب تھے۔ ان نئی رسموں کی ایجاد میں ماشاءاللہ خاصی باریک بینی سے کام لیا گیا۔ قرآن اور حدیث کو اس غرض کے لیے تو نہ چھانا گیا کہ اسلام نے انسانی زندگی کے لیے جو نظام نامہ مرتب کیا ہے اس کے اصول معلوم کیے جاتے، بلکہ ساری چھان بین اس لیے کی گئی کہ کہاں ایک نئی رسم ایجاد کرنے کے لیے یا پرانی جاہلانہ رسموں کو جاری رکھنے کے لیے کوئی بہانہ مل سکتا ہے۔ پھر اگر کسی جگہ ایک بال کی نوک کے برابر بھی کوئی اشارہ مل گیا تو اس پر ایک پہاڑ برابر عمارت تعمیر کر ڈالی گئی۔ لوگ اپنی جگہ خوش ہیں کہ اسلام میں تہواروں اور رسموں کی جو کمی تھی اس کو انہوں نے پورا کر لیا ہے۔ حالانکہ دراصل انہوں نے اپنی جہالت سے وہ ساری بیڑیاں پہن لی ہیں جو اللہ نے اپنے نبی کے ہاتھوں سے کٹوا دی تھیں، اور اپنے آپ کو پھر اُس جال میں پھانس لیا ہے جس میں پھنس کر دنیا کی کوئی قوم کبھی نہ اُبھر سکی۔